میثم قادری

سیّد احمد بریلوی

انگریز دوست یا انگریز دشمن؟

از جناب عنایت اللہ چشتی چکڑالوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

تاریخ کے مطالعہ میں ہمیں ایک اہم حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ جب ہم تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو وہ لامحالہ ہمارے اسلاف سے بحث کرنے لگی ہو سکتا ہے کہ ہم ان اسلاف کے متعلق بعض باتوں کو، جو کچھ سمجھتے چلے آ رہے ہوں تاریخ کا مطالعہ ہمیں اس کے خلاف بتائے اور اس نتیجہ تک پہنچائے کہ نہیں! بات یوں نہیں بلکہ یوں تھی اس سے بعض اوقات ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اسلاف میں سے کسی ایک کے متعلق جو رائے ہم پہلے رکھتے تھے اُسے بدلنا پڑے۔ تاریخ کے صحیح مطالعہ سے مفہوم ہی یہ ہے کہ اگر واقعات اس کے متقاضی ہوں تو ہم اپنی رائے میں تبدیلی کر لیں اگر ہم اس کے لیے تیار نہ ہوں تو پھر تاریخی تحقیق و تدقیق سے کچھ حاصل نہیں۔

آج جبکہ ماضی کی ستائش ہر مورخ کا نصب العین بن گیا ہے۔ رفتگان کی غلطیوں کا شمار کرنا عصرِ خویش سے جنگ کرنے کے مترادف ہے لیکن آئندگان کو ان غلطیوں سے آگاہ کرنا ناگزیر ہے جن کی وجہ سے ماضی میں مسلمانوں کو ناگفتہ بہ حالات سے گزرنا پڑا ہے تاکہ مستقبل کی تعمیر میں ان

غلطیوں سے احتراز کیا جائے زمانۂ حال ماضی کا ثمرہ ہے اور مستقبل کے لیے ایک تخم کی حیثیت رکھتا ہے ہمیں آج اپنے پیشرو حضرات کے اعمال کا محاسبہ کرنا ہے اس لیے نہیں کہ ہم ان کو مطعون کریں بلکہ اس لیے کہ ماضی کی روشنی میں مستقبل کے لیے شاہراہِ عمل کی جستجو کریں۔

زیرِ نظر مقالہ میں ہم نے برطانوی ہندوستان کی مشہور تحریکِ وہابیت کے قائد جناب سید احمد بریلوی کے سیاسی کردار کا تاریخ کی روشنی میں جائزہ لیا ہے اگر ہمارا یہ جائزہ آپ کے جذبات کو مجروح کرتا ہے تو اس میں ہمارا قصور نہیں کیونکہ ہماری تحقیق کا مدار تاریخ پر مبنی ہے اس لیے ہم پر ناراضگی کی کوئی وجہ نہیں ہونی چاہیے۔

برطانوی دورِ حکومت میں جناب سید احمد بریلوی کی تحریک ایک ایسی تحریک ہے جو یگانوں اور بیگانوں میں "تحریکِ وہابیت" کے نام سے مشہور ہے یہ تحریک، وہابیت کے نام سے کیوں مشہور ہوئی؟ اس کی وجہ جناب سید احمد بریلوی کے ایک بہت بڑے مداح شیخ محمد اکرام صاحب سی، ایس، پی کی زبان سے سُنیئے:-

"جب وہ (سید احمد بریلوی) حج کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو وہاں انہیں وہابیوں کے عقائد سے باخبر ہونے کا موقع ملا جو اُن کے سفرِ حج سے چند سال پہلے مقاماتِ مُقدسہ پر قابض تھے۔ حضرت سید صاحب اور وہابیوں کے مقاصد میں بہت اشتراک تھا۔ اس لیے ان کے کئی ساتھی وہابی عقائد سے متاثر ہوگئے۔ مثلاً وہابی عقائد میں ایک اہم عقیدہ عدم وجوب تقلید شخصی کا ہے۔

اہلِ سُنت مسلمان، فقہ کے چار بڑے اماموں، امام ابوحنیفہ، امام

شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل میں سے کسی ایک کے پیرو اور ان کے طے کردہ مسائل فقہ میں سے کسی ایک کے مقلد ہوتے ہیں لیکن وہابی اسے غیر ضروری سمجھتے ہیں اور فقہی اماموں کے بجائے احادیث کی پیروی کرتے ہیں۔ اس مسئلے پر شاہ اسمٰعیل شہید نے سفرِ حج کے بعد اپنے آپ کو غیر مقلد ظاہر کیا۔"[1]

سر سید احمد خان کا انکارِ تقلید بھی شاہ اسمٰعیل کے "فیضانِ صحبت" کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ مولانا الطاف حسین حالیؔ، سر سید کی ابتدائی زندگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

"مولانا اسمٰعیل شہید نے اُن کے خیالات کی اور زیادہ اصلاح کی اور انہیں کسی قدر تقلید کی بندشوں سے آزاد کیا۔"[2]

جناب سید احمد بریلوی اور اُن کے "مریدانِ باصفا" کے دینی معتقدات کی تغلیط میں سید صاحب کے زمانہ سے لے کر آج تک اکابر اہلِ سُنت نے کیا کچھ لکھا صرف اس کی فہرست کے لیے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے سرِدست یہ قصہ ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ ہمارا موضوع سید صاحب کے سیاسی اعمال و نظریات پر نقد و نظر ہے۔

کچھ دنوں سے سید صاحب کے مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والے بعض حضرات یہ ثابت کرنے کی بدرجۂ غایت کوشش کر رہے ہیں کہ "سید صاحب بنیادی طور پر انگریزوں کے تسلط کے بھی ویسے ہی مخالف تھے جیسے سکھوں کی حکومت کے۔ اور ان کے منصوبۂ جہاد میں انگریزوں سے

---

[1] موج کوثر ص۴۳ [2] حیات جاوید ؞

قتال اسی طرح شامل تھا جس طرح سکھوں سے۔" آج کل اس نقطۂ نظر کے بہت بڑے مبلغ مولانا غلام رسول مہرؔ ہیں۔ انھوں نے تحریک وہابیت پر قریباً پونے دو ہزار صفحات پر مشتمل چار مجلدات مرتب کی ہیں جن کے نام بالترتیب حسب ذیل ہیں :۔

① سیّد احمد شہید حصہ اوّل ② سیّد احمد شہید حصہ دوم

③ جماعتِ مجاہدین ④ سرگذشتِ مجاہدین

مہرؔ صاحب نے اپنی متذکرہ تصانیف میں اپنے نقطۂ نظر کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے اپنا پورا زورِ قلم واستدلال صرف کیا ہے اس کے باوجود مہرؔ صاحب کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ کیونکہ جن لوگوں کے سامنے تحریک وہابیت سے متعلق ایسی کتابیں ہیں جو اس تحریک کے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں وہ مہرؔ صاحب کے نقطۂ نظر کی تائید کرنے سے معذور ہیں کیونکہ ان کتابوں میں ایسا مواد بکثرت موجود ہے جو مہرؔ صاحب کے نقطۂ نظر کے برعکس سیّد صاحب کو انگریزوں کا حلیف ثابت کرتا ہے۔

تحریک وہابیت سے متعلق حسب ذیل تین دستاویزات بلند پایہ تاریخی حیثیت کی حامل ہیں :۔

① **سوانح احمدی** :۔ اس کے مُصنف مولوی محمد جعفر تھانیسری ہیں۔ مولوی صاحب، سیّد احمد بریلوی کے خاص معتقدین میں سے ہیں۔ ان کی تصنیف سوانح احمدی کو سیّد صاحب کے سوانح حیات میں ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ بقول غلام رسول مہرؔ :۔

"اُردو زبان میں سیّد صاحب کے متعلق یہ پہلی کتاب ہے۔"[1]

شروع سے لے کر آج تک اسے سیّد صاحب کے حالات و واقعات کے سلسلے میں مستند ماخذ تسلیم کیا گیا ہے۔ کسی نے اس کے واقعات و روایات سے اختلاف نہیں کیا۔ خود مہرؔ صاحب مولوی محمد جعفر تھانیسری کی بلند پایہ شخصیت کے معترف ہیں۔ ثبوت کے لیے مہرؔ صاحب کی حسب ذیل تحریر ملاحظہ فرمایئے :۔

"مولوی جعفر تھانیسری، سیّد صاحب کے خاص معتقدین سے وابستہ تھے اس وابستگی کے باعث انھوں نے خوفناک تکلیفیں اُٹھائیں، گھر بار لٹایا اور کم و بیش اٹھارہ سال کالے پانیوں میں بسر کیے اُن کی قربانیوں کے سامنے ہر شخص کی گردن احتراماً جھک جانی چاہیے۔"[2]

② **مقالاتِ سرسیّد** ۔ سرسیّد احمد خان، سیّد صاحب کے صرف معاصرین میں سے ہی نہیں بلکہ معتقدین میں سے بھی ہیں۔ سرسیّد کی ثقاہت سے کسی کو بھی انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ سرسیّد کو سیّد صاحب سے جو ارادت تھی اس کا اندازہ شیخ محمد اکرام صاحب سی۔ ایس۔ پی کے حسب ذیل بیان سے ہو سکتا ہے :۔

"حقیقت یہ ہے کہ سرسیّد، مولانا سیّد احمد بریلوی کے ہم خیال اور اُن کے نہایت عقیدت مند مداحوں میں سے تھے اس کا ثبوت اُن مضامین سے مل سکتا ہے جو انھوں نے ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب کے خلاف اور وہابی عقائد کے حق میں

---

[1] سیّد احمد شہید صہ ۲۲ [2] سیّد احمد شہید حصہ اوّل صہ ۲۵۸ ؛

لکھے تھے۔ اس کے علاوہ سرسید نے اپنی کتاب آثار الصنادید میں مولانا سید احمد بریلوی، مولانا اسمٰعیل شہید اور شاہ عبد العزیز کے متعلق بے حد عقیدت کا اظہار کیا ہے ان بزرگوں کے حالاتِ زندگی بڑی تفصیل اور بڑے ادب و احترام سے لکھے ہیں اور ان کے مخالفوں پر سختی سے نکتہ چینی کی ہے سرسید اور سید احمد بریلوی کے ذاتی تعلقات کا تو کوئی سراغ نہیں ملتا لیکن آثار الصنادید سے معلوم ہوتا ہے کہ سرسید، مولانا شہید کے مسجد جامع کے وعظ میں شریک ہوا کرتے تھے اور مولانا کی تعلیمات سے خاص طور پر متاثر ہوتے تھے۔" لہ

(۳) حیاتِ طیبہ:۔ اس کے مصنف مشہور اہل قلم میرزا حیرت دہلوی ہیں۔ میرزا حیرت دہلوی کو جناب سید احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل دہلوی سے بے پناہ عقیدت تھی اس کا ثبوت ان کی اس تصنیف کے ایک ایک سطر سے ہوتا ہے۔ میرزا حیرت کے تعصب کی یہ حالت ہے کہ انہوں نے اپنے ممدوح (شاہ اسمٰعیل) کو جگہ جگہ "پیارے شہید" لکھا ہے اور اپنے ممدوح کے مخالف رئیس الاحرار حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کو "منطقی صاحب" کے نام سے لکھا ہے۔ میرزا صاحب نے حضرت علامہ فضل حق کی مخالفت ایسے سوقیانہ انداز میں کی ہے کہ شرافت و متانت سر پیٹ کے رہ جاتی ہے۔ بطور نمونہ چند سطور درج کی جاتی ہیں۔ میرزا صاحب، حضرت علامہ فضل حق کے بارے میں یوں گوہر افشانی فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ بھی مسلم الثبوت ہے کہ آپ طلباء کے پڑھانے کے

لہ موج کوثر صہ ۲۹-۳۰ ؎

ایسے پابند تھے کہ ناواجب موقع پر بھی نہ چوکتے تھے یعنی جب آپ طوائف کے ہاں ہوتے تھے اس حالت میں بھی سبق پڑھانے میں دریغ نہ کرتے تھے۔" لہ

مندرجہ بالا سطور اس امر کی غمازی کرتی ہیں کہ میرزا حیرت کو اپنے ممدوح سے کتنی اندھی عقیدت تھی اور اُس نے اسی عقیدت کی رو میں بہہ کر اپنے ممدوح کے ایک مخالف کے بارے میں (جو اپنے وقت کے ایک جلیل القدر عالم دین اور جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) کے ہیرو ہیں) نہایت بے باکی سے بہتان تراشی کی ہے۔ ایسے غالی عقیدت مند کے متعلق یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے اپنے ممدوحین کے بارے میں کچھ ایسے غلط واقعات منسوب کیے ہوں جن سے ان کے ممدوحین کی تعریف کی بجائے تنقیص ثابت ہوتی ہو۔ بہر حال اُسے اپنے ممدوحین کے بارے میں مخلص تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ یہ ہیں تحریکِ وہابیت کے بنیادی ماخذ۔ ان سے زیادہ مستند شائع شدہ اور کوئی ماخذ نہیں۔

ہم نے اس مقالہ میں مذکورہ بالا ماخذوں کی روشنی میں جناب سید احمد بریلوی کے سیاسی کردار کا جو تجزیہ کیا ہے وہ نذرِ قارئین کرام ہے۔ ہم اپنے محاکمہ میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں اس کا جائزہ لینے کے لیے اگلے اوراق کی شہادت ضروری ہے۔

خاکسار

عنایت اللہ چشتی۔ چکڑالہ۔ ضلع میانوالی ۱۹۶۶ء

لہ حیاتِ طیبہ صہ ۱۰۰ ؎

ہندوستان کا سیاسی نقشہ

جناب سید احمد بریلوی کے سکھوں کے خلاف اعلانِ جنگ سے پیشتر ہندوستان کن سیاسی حالات سے دوچار تھا اس کی حقیقت غلام رسول مہر کے حسب ذیل بیان سے منکشف ہوتی ہے :-

"سید صاحب کی ولادت سے کم و بیش تیس برس پیشتر ایک اجنبی قوت نے ہندوستان میں قدم جما لیے تھے یہ انگریز تھے جو تاجروں کے بھیس میں آئے۔ ملکی حاکموں کی بدعملیوں نے ان میں حکمرانی کے ولولے پیدا کر دیئے۔ سب سے پہلے کرناٹک، بنگال، بہار اور اڑیسہ ان کے زیر اثر آئے۔ پھر انہوں نے مرہٹوں اور نظام کو ساتھ ملا کر سلطنت میسور کو ختم کیا۔ اُدھر سے فارغ ہوئے تو مرہٹوں، نظام اور اودھ پر توجہ مبذول کی۔ تھوڑے ہی دنوں میں سب کو امدادی فوجی نظام کی زنجیروں میں جکڑ کر بے دست و پا بنا دیا۔ پھر دہلی پہنچے تو اس تخت گاہ کے مختارِ کل بن گئے جو پورے ہندوستان کی اطاعت و انقیاد کا سرچشمہ تھی۔ سید صاحب کے ہوش سنبھالنے سے پہلے یہ سب کچھ پورا ہو چکا تھا۔ یہ حقیقت محتاجِ بیان نہیں کہ اسلامی حکومت

کے احیاء کا خواب دیکھنے والے ہر شخص پر واضح تھا کہ انگریزوں کی قوت سے ٹکرائے اور اسے پاش پاش کیے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا جا سکتا۔"[1]

مولانا مہر کے مندرجہ بالا بیان سے پتہ چلتا ہے کہ سکھوں کے خلاف سید صاحب کے اعلانِ جنگ سے قبل انگریز، ہندوستان کے بہت بڑے علاقے پر قابض ہو چکے تھے یہ امر حیران کن ہے کہ سید صاحب نے ہندوستانی مسلمانوں کو انگریزوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر سرحد میں جا کر سکھوں کے خلاف جنگ کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی؟ بعض حلقے سید صاحب کے اس اقدام کے جواز میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ سید صاحب نے سُنا تھا کہ سکھ سرحدی مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہیں اس لیے سید صاحب نے سکھوں سے انتقام لینے کے لیے سرحد جا کر سکھوں سے جنگ شروع کر دی۔ اوّل تو یہ دلیل اتنی کمزور ہے کہ اسے کوئی سمجھدار انسان تسلیم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ سید صاحب کے وطن میں انگریز ظلم ڈھا رہے تھے اور سید صاحب انہیں نظر انداز کر کے اپنے وطن سے سینکڑوں میل دُور سکھوں سے لڑنے چلے جاتے ہیں دوم مولانا غلام رسول مہر تو سید صاحب کے اعلانِ جنگ کی اس وجہ کو تسلیم ہی نہیں کرتے چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

"بعض سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ رام پور میں افغانوں نے آپ کو مسلمانوں پر سکھوں کے ظلم و ستم کی داستانیں سُنائی تھیں اور یہ سُن کر آپ نے سکھوں کے خلاف جہاد کا فیصلہ کر دیا۔

[1] سید احمد شہید ص ۸۶ ؎

یہ محض سوانح نگاروں کے تخیل کا کرشمہ ہے سید صاحب اس سے بہت پہلے جہاد کا پختہ فیصلہ کر چکے تھے اور اس کی غرض و غایت یہ تھی کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کریں ..... سید صاحب کے نزدیک جہاد کا پہلا ہدف انگریز تھے، جو ہندوستان کے بہت بڑے علاقے پر قابض ہو چکے تھے۔ سکھوں سے بھی جہاد ضروری تھا لیکن وہ انگریزوں سے پہلے نہ آتے تھے۔"[1]

مولانا مہر کے مندرجہ بالا بیان سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ سکھوں سے پہلے انگریزوں سے جنگ ناگزیر تھی لیکن سید صاحب نے سکھوں سے جنگ شروع کر دی۔ سید صاحب نے سکھوں سے اس لیے جنگ شروع نہیں کی کہ وہ مسلمانوں پر ظلم کر رہے تھے بلکہ سید صاحب کی اس جنگ کا مقصد ہندوستان میں اسلامی حکومت کا قیام تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ سید صاحب ہندوستانی مسلمانوں کو انگریزوں کی غلامی میں چھوڑ کر اسلامی حکومت قائم کرنے کے خواب کی تعبیر ڈھونڈنے سرحد چلے گئے۔ اس ضمن میں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب انگریز عملی طور پر سارے ہندوستان کا مالک تھا تو اس نے سید صاحب کو اپنے مقبوضات اور زیر اثر علاقوں میں جہاد کی آزادانہ تبلیغ کی اجازت کیونکر دی اور ان کی تحریک اور اس کے ابلاغ کو کیوں نہ روکا؟ اس سوال کا جواب اس تحریک کے پس منظر کو سامنے رکھنے سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ سید صاحب کی تحریک جہاد کے سرپرست انگریز تھے اور سید صاحب کا انگریزوں سے کوئی پیکٹ ہو چکا تھا اس لیے انگریزوں نے سید صاحب کی

---

[1] سید احمد شہید صفحہ ۱۳۱

تحریک جہاد میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی۔ اس بات کی تائید نواب امیر خان آف ٹونک اور انگریزوں کی صلح کے واقعہ سے بھی ہوتی ہے نواب امیر خان، انگریزوں کا شدید مخالف تھا۔ سید صاحب نے نواب امیر خان کی ملازمت اختیار کر کے نواب امیر خان کو سبز باغ دکھا کر اس کی انگریزوں سے صلح کرا دی۔ اس صلح کی روداد مولوی محمد جعفر کی زبان سے سنیئے :-

"ایک روز کا ذکر ہے کہ لشکر نواب امیر خان مرحوم سرکار انگریزی کے لشکر سے لڑ رہا تھا۔ دونوں طرف سے توپ اور بندوق چل رہی تھیں اُس وقت سید صاحب اپنے خیمہ میں تشریف رکھتے تھے آپ نے اپنا گھوڑا تیار کروایا اور اس پر سوار ہو کر مثل ہولے کے دونوں لشکروں کو چیرتے ہوئے اُس مقام پر پہنچ گئے جہاں سپہ سالار فوج انگریزی کا مع اپنے مصاحبوں کے کھڑا تھا۔ پس وہاں سے اُس سپہ سالار کو ساتھ لے کر پھر دونوں لشکروں کو چیرتے ہوئے اپنے خیمہ تک چلے آئے۔ یہاں آ کر تھوڑی سی بات چیت کے بعد سپہ سالار مذکور نے عہد کر لیا کہ میں اسی دم اپنے لشکر کو مقابلہ نواب امیر خان صاحب سے واپس لے جاؤں گا اور پھر مقابلہ کو نہ آؤنگا بلکہ جہاں تک ممکن ہوگا اپنی سرکار کو اس بات پر مجبور کروں گا کہ نواب امیر خان سے صلح کر لے۔ اس وقوعہ کے بعد پھر سرکار انگریزی اور نواب امیر خان میں جنگ نہیں ہوئی۔ بلکہ صلح کی بات چیت اور رسل و رسائل شروع ہو گئے اور بعد لارڈ ہیٹنگ صاحب بہادر وائسرائے ہند،

ٹونک کا ملک، نواب صاحب کو دے کر صلح کی گئی"۔ [1]

اس صلح کے متعلق ایک اور مؤرخ (میرزا حیرت دہلوی) کی شہادت بھی سُن لیجئے:-

"۱۲۳۱ھ تک سیّد صاحب، امیر خان کی ملازمت میں رہے مگر ایک ناموری کا کام آپ نے یہ کیا کہ انگریزوں اور امیر خان کی صلح کرادی۔ اور آپ ہی کے ذریعہ سے جو شہر بعد ازاں دیئے گئے اور جن پر آج تک امیر خان کی اولاد حکمرانی کرتی ہے دینے طے پائے تھے۔ لارڈ ہیٹنگ، سیّد صاحب کی بے نظیر کارگذاری سے بہت خوش تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا اور اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا۔ امیر خان، لارڈ ہیٹنگ اور سیّد صاحب، سیّد صاحب نے امیر خان کو بڑی مشکل سے شیشہ میں اُتارا تھا۔ آپ نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ انگریزوں سے مقابلہ کرنا اور لڑنا بھڑنا اگر تمہارے لیے بُرا نہیں ہے تو تمہاری اولاد کے لیے سم قاتل کا اثر رکھتا ہے یہ باتیں امیر خان کی سمجھ میں آگئی تھیں اور اب وہ اس بات پر رضامند تھا کہ گذارہ کے لیے کچھ ملک مجھے دے دیا جائے تو میں بآرام بیٹھوں۔ امیر خان نے ریاستوں اور ان کے ساتھ انگریزوں کا بھی ناک میں دم کر دیا تھا۔ آخر

[1] سوانح احمدی ص ۱۴-۱۵ ؛

ایک بڑے مشورے کے بعد سیّد احمد صاحب کی کارگزاری سے ہر ریاست میں سے کچھ کچھ حصّہ دے کر امیر خان سے معاہدہ کرلیا۔ جیسے جے پور سے ٹونک دلوادیا۔ اور بھوپال سے سرونج۔ اسی طرح سے متفرق پرگنے مختلف ریاستوں سے بڑی قیل وقال کے بعد انگریزوں سے دلواکر بھپرے ہوئے شیر کو اس حکمت عملی سے پنجرہ میں بند کر دیا"۔ [1]

یہ بیان مزید وضاحت کا محتاج نہیں اس بیان کے خط کشیدہ فقرات کو ایک بار پھر پڑھیے اور سیّد صاحب کی انگریز دوستی کا اندازہ لگایئے۔

[1] حیات طیبہ ص ۵۱۴-۵۱۵ ؛

انگریزوں سے جہاد کی اجازت

مندرجہ بالا واقعات و روایات سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ سید صاحب کے انگریزوں سے گہرے تعلقات تھے۔ انہوں نے انگریزوں کے ایماء پر نواب امیر خان کو انگریزوں کی اطاعت پر مجبور کر دیا۔ ان تعلقات کے پیشِ نظر سید صاحب کو انگریزوں سے تحریک جہاد کی اجازت کی چنداں ضرورت تو نہیں تھی کیونکہ سید صاحب سب کچھ انگریزوں کے اشارہ پر کر رہے تھے لیکن سید صاحب نے رسمی طور پر اپنے صوبہ کے گورنر سے جہاد کی اجازت طلب کی۔ چنانچہ مولوی محمد جعفر تھانیسری رقمطراز ہیں:-

"اُس وقت ہر شہر و قصبہ و گاؤں برٹش انڈیا (انگریزی عملداری واقع ہند) میں علانیہ سکھوں پر جہاد کرنے کا وعظ ہوتا تھا مگر براہِ دُور اندیشی معرفت شیخ غلام علی صاحب رئیس اعظم الہ آباد کے نواب لفٹیننٹ گورنر بہادر اضلاع شمالی و مغربی کو بھی اس تیاری جہاد کی اطلاع دی گئی تھی جس کے جواب میں صاحب ممدوح نے یہ تحریر فرمایا کہ جب تک انگریزی عملداری میں کسی فتنہ و فساد کا اندیشہ نہ ہو ہم ایسی تیاری کے مانع نہیں۔" [۱]

(حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

اس اجازت جہاد کی روداد میرزا حیرت دہلوی سے بھی سُن لیجئے:-

"سید صاحب نے مولانا شہید کے مشورہ سے شیخ غلام علی رئیس الہ آباد کی معرفت لفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی شمال کی خدمت میں اطلاع دی کہ ہم لوگ سکھوں پر جہاد کی تیاری کرتے ہیں۔ سرکار کو تو اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے — لفٹیننٹ گورنر نے صاف لکھ دیا کہ ہماری عملداری امن میں خلل نہ پڑے تو ہمیں آپ سے کچھ سروکار نہیں نہ ہم ایسی تیاری میں مانع ہیں۔" [۲]

مندرجہ بالا واقعات اس امر کے سمجھنے میں ممد ہوتے ہیں کہ سید صاحب کی تحریک جہاد میں انگریزوں کا ہاتھ تھا اس لیے انہیں سید صاحب کی اس تحریک سے قطعاً خدشہ نہیں تھا اگر انہیں سید صاحب کی وفاداری پر ذرا بھی شبہ ہوتا تو وہ سید صاحب کو بغاوت کے الزام میں پابند سلاسل کر کے تختہ دار پر چڑھا دیتے چونکہ انہیں سید صاحب کی وفاداری پر اعتماد تھا اس لیے وہ سید صاحب کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کرتے رہے۔

(حاشیہ صفحہ سابقہ) [۱] سوانح احمدی صفحہ ۴۵ (حاشیہ صفحہ موجودہ) [۲] حیات طیبہ صفحہ ۵۲۳

انگریزی حکومت کے متعلق سید صاحب کا فتویٰ!

انگریزی حکومت کے متعلق سید صاحب کا فتویٰ بھی پڑھ لیجئے:-

"یہ بھی ایک صحیح روایت ہے کہ جب آپ (سید صاحب) سکھوں سے جہاد کرنے کو تشریف لے جاتے تھے کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ آپ اتنی دور سکھوں پر جہاد کرنے کیوں جاتے ہو؟ انگریز جو اس ملک پر حاکم ہیں۔ دین اسلام سے کیا منکر نہیں ہیں۔ گھر کے گھر میں ان سے جہاد کر کے ملک ہندوستان لے لو۔ یہاں لاکھوں آدمی آپ کا شریک اور مددگار ہو جاوے گا۔ سید صاحب نے جواب دیا کہ کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت نہیں کرنا چاہتے ..... سرکار انگریزی گو منکرِ اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی اور نہ ہی اُن کو فرض مذہبی اور عبادت لازمی سے روکتی ہے۔ ہم ان کے ملک میں اعلانیہ وعظ کہتے اور ترویج مذہب کرتے ہیں وہ کبھی مانع اور مزاحم نہیں ہوتی بلکہ اگر ہم پر کوئی زیادتی کرتا ہے تو اس کو سزا دینے کو تیار ہے ہمارا اصل کام اشاعت توحید الٰہی اور احیاءِ سنن سید المرسلین ہے۔ سو ہم بلا روک ٹوک

اس ملک میں کرتے ہیں پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور خلاف اُصولِ مذہب طرفین کا خون بلا سبب گراویں[1]۔"

سید صاحب کے مندرجہ بالا بیان کے ایک ایک لفظ سے انگریز دوستی کا ثبوت ملتا ہے وہ انگریز جس نے سلطان ٹیپو شہید کی سلطنت دولت خداداد کو تہس نہس کر دیا تھا اور ہندوستان میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل رہا تھا کے متعلق سید صاحب کا یہ فتویٰ کہ:

"سرکار انگریزی مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی اور نہ ہی ان کو فرض مذہبی اور عبادت لازمی سے روکتی ہے۔"

ے

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

سید صاحب کی اس خود فریبی اور خوش فہمی پر ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر صادق آتا ہے ے

مُلا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

لگے ہاتھوں سید صاحب کے دستِ راست مولوی شاہ اسمٰعیل دہلوی کا فتویٰ بھی پڑھ لیجئے:-

"یہ بھی صحیح روایت ہے کہ اثنائے قیام کلکتہ میں جب ایک روز مولانا محمد اسمٰعیل شہید وعظ فرما رہے تھے۔ ایک

[1] سوانح احمدی صہ ۱۷

شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا کہ سرکار انگریزی سے جہاد کرنا درست ہے یا نہیں اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے رو ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں ہے۔" [1]

سید صاحب اور ان کے رفقائے کار کے انگریزوں کے متعلق بھی نیک خیالات" تھے جن کی وجہ سے انگریز اُن سے بالکل مطمئن تھے انگریزوں کے اطمینان کی ایک اور شہادت بھی سُن لیجئے میرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں:

"جب مہیب تحریک پھیلی تو ضلع کے حکام اس سے چوکنے ہوئے اور انہیں خوف معلوم ہوا کہ کہیں ہماری سلطنت میں رخنہ نہ پڑے اور موجودہ امن میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہو اس نظریے سے ضلع کے حکام نے حکام اعلیٰ کو لکھا۔ وہاں سے صاف جواب آگیا۔ ان سے ہرگز مزاحمت نہ کرو۔ ان مسلمانوں کو ہم سے کوئی لڑائی نہیں ہے یہ سکھوں سے انتقام لینا چاہتے ہیں ——۔" [2]

چونکہ ضلع کے چھوٹے افسروں کو انگریزوں سے سید صاحب کی سازباز کا علم نہیں تھا اس لیے انہوں نے سید صاحب کے جوش و خروش کو دیکھ کر خطرہ محسوس کرتے ہوئے حکام اعلیٰ کو اُن کی سرگرمیوں کی اطلاع دی مگر حکام اعلیٰ کو سب کچھ معلوم تھا اس لیے انہوں نے سید صاحب کے بارے میں اطمینان دلا دیا۔

[1] سوانح احمدی صہ ۵۷ [2] حیات طیبہ صہ ۵۲۲

انگریزی عدالتوں کا تعاون

سید صاحب کی تحریک جہاد کے سلسلے میں انگریزی عدالتوں نے اپنے تعاون میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ چنانچہ مولوی محمد جعفر تھانیسری لکھتے ہیں:-

"سید صاحب جہاد میں معروف تھے۔ اس وقت ایک ہنڈی سات ہزار روپے کی جو بذریعہ ساہوکاران دہلی مرسلہ محمد اسحاق صاحب روانہ ہوئی تھی۔ ملک پنجاب میں وصول نہ ہونے پر اس سات ہزار کی واپسی کا دعویٰ عدالت دیوانی میں دائر ہو کر ڈگری ہوا اور پھر ہنگام اپیل عدالت عالیہ دیوانی سے (ہائیکورٹ) آگرہ میں بھی حکم ڈگری بحق مدعی بحال رہا۔" [1]

اس واقعہ کی تصدیق میرزا حیرت دہلوی کے قلم سے بھی پڑھ لیجئے:

جب سید صاحب یاغستان میں تھے تو مولانا محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی نے کچھ اوپر سات ہزار روپیہ سید احمد صاحب کو بذریعہ ہنڈی روانہ کیا تھا۔ ——

—— وہ کسی باعث سے نہیں پہنچا تھا اس پر نالش کی گئی تھی اور پھر روپیہ وصول کر کے دوبارہ سید صاحب کی خدمت میں روانہ کیا گیا تھا۔" [2]

اگر سید صاحب انگریزوں کے مخالف ہوتے تو وہ ان کو روپیہ کی وصولی میں کیوں مدد دیتے بلکہ ان کا روپیہ بحق سرکار ضبط کر لیتے۔

[1] سوانح احمدی صہ ۷۰ [2] حیات طیبہ صہ ۵۲۹

انگریز کی طرف سے سیّد صاحب کو دعوتِ طعام

مولوی محمد جعفر تھانیسری لکھتے ہیں کہ :-

"جب نمازِ عشاء کی ہو چکی اس وقت دیدبانوں نے عرض کیا کہ فاصلہ دُور دراز سے تین مشعلیں اس طرف کو آتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ آتے آتے جب وہ مشعلیں کنارہ کے نزدیک پہنچیں تو دیکھا کہ ایک انگریز گھوڑے پر سوار بہت سا کھانا قسم قسم کا بہنگیوں میں رکھوائے ہوئے چلا آتا ہے اُس نے کشتی کے نزدیک آکر پوچھا کہ پادری صاحب کہاں ہیں۔ جب حضرت نے کشتی میں سے جواب دیا تو وہ گھوڑے سے اُتر کر اور اپنی ٹوپی سر سے اُتار کر بہت ادب سے حضرت کے سامنے کشتی میں آیا۔ اور بعد سلام و مزاج پُرسی کے عرض کیا کہ تین روز سے میں نے نوکر واسطے لانے خبر تشریف آوری حضور اس طرف تعینات کر رکھے تھے۔ سو آج انہوں نے مجھ کو خبر دی۔ سو یہ ماحضر واسطے حضور اور کل قافلے کے تیار کر کے لایا ہوں۔ براہِ بندہ نوازی اس کو قبول فرمائیں — حضرت نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ فوراً وہ کھانا اپنے برتنوں میں لے کر قافلے میں تقسیم کر دو۔ قریب دو گھڑی تک وہ انگریز

حضور میں حاضر رہا اور پھر رخصت لے کر مع اپنے آدمیوں کے واپس چلا گیا۔"[1]

یہی واقعہ سیّد صاحب کے خاندان کے ایک نامور عالم اور مُصنّف مولانا ابوالحسن علی ندوی کی زبان سے بھی سن لیجئے :-

"اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ انگریز گھوڑے پر سوار چند پالکیوں پر کھانا رکھے کشتی کے قریب آیا اور پوچھا کہ پادری صاحب کہاں ہیں۔ حضرت نے کشتی پر سے جواب دیا کہ میں یہاں موجود ہوں۔ انگریز گھوڑے پر سے اُترا اور ٹوپی ہاتھ میں لیے کشتی پر پہنچا اور مزاج پُرسی کے بعد کہا کہ تین روز سے میں نے اپنے ملازم یہاں کھڑے کر دیے تھے کہ آپ کی اطلاع کریں۔ آج انہوں نے اطلاع دی کہ اغلب یہ ہے کہ حضرت قافلے کے ساتھ تمہارے مکان کے سامنے پہنچیں۔ یہ اطلاع پا کر غروبِ آفتاب تک میں کھانے کی تیاریوں میں مشغول رہا۔ سیّد صاحب نے حکم دیا کہ کھانا اپنے برتنوں میں منتقل کر لیا جائے۔ کھانا لے کر قافلے میں تقسیم کر دیا گیا اور انگریز دو تین گھنٹہ ٹھہر کر چلا گیا۔"[2]

کیا انگریز کی اس دعوت سے یہ حقیقت واضح نہیں ہوتی کہ انگریز، سیّد صاحب کو اپنا آدمی سمجھتے تھے اگر وہ سیّد صاحب کو دشمن سمجھتے تو انہیں سیّد صاحب کی اس خصوصی دعوت کے اہتمام کی کیا ضرورت تھی۔

[1] سوانح احمدی صفحہ ۴۸-۴۹ [2] سیرت سیّد احمد شہید حصہ اوّل از مولانا ابوالحسن ندوی صفحہ ۱۹۰

مولانا عبدالحی، سابق ملازم افرنگ

مولانا غلام رسول مہر سید صاحب کی جماعت کے ایک ممتاز رکن مولانا عبدالحی کے حالاتِ زندگی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انگریزوں کو ابتدائے حکومت میں اس بات کی بڑی خواہش و جستجو تھی کہ خاندانی و ذی وجاہت علما افتا و صدارت کے مناصب قبول کرلیں تاکہ شمالی ہند انگریزی حکومت عوام کے نزدیک مقبول ہو سکے۔ چنانچہ میرٹھ میں مفتیٔ عدالت کا عہدہ خالی ہوا تو کوشش کی گئی کہ شاہ عبدالعزیز، مولانا عبدالحی کو یہ عہدہ قبول کرنے کی اجازت دے دیں اور انہوں نے اجازت دے دی۔ یوں کچھ مدت تک مولانا عبدالحی میرٹھ میں مفتیٔ عدالت رہے۔" [1]

مولانا عبدالحی کے سابق ملازم افرنگ ہونے کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انگریزوں نے سید صاحب کی تحریک میں اپنے معتمد آدمی اس غرض سے داخل کر رکھے تھے تاکہ وہ انگریزوں کی ہدایات کے مطابق تحریک کو چلائیں۔

سید صاحب پر جاسوس افرنگ ہونے کا شبہ

مولانا غلام رسول مہر، سید صاحب کے سندھ میں داخلہ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

[1] جماعت مجاہدین ص ۱۱۱

(۱)

"انگریزوں کے بارے میں عام سندھیوں کی رائے اچھی نہ تھی۔ سید صاحب کو بے سبب ان تمام شبہات کا ہدف بننا پڑا۔" [1]

(۲)

"یہ شہر (شکارپور) پہلے شاہ شجاع بادشاہ افغانستان کے قبضے میں تھا جو اپنے بھائی محمود شاہ کے مقابلے میں شکست کھا کر پنجاب سے ہوتا ہوا انگریزوں کے پاس پہنچ چکا تھا اور لدھیانے میں مقیم تھا۔ سید صاحب کے پہنچنے سے تین برس پیشتر امیرانِ سندھ نے اس پر قبضہ جما لیا۔ سید صاحب پہنچے تو اہل شہر میں خدا جانے کس بناء پر افواہ پھیل گئی کہ شاہ شجاع نے ایک دستہ فوج اس غرض سے بہ تبدیل لباس بھیج دیا ہے کہ خفیہ خفیہ شکارپور پر قبضہ کر لے۔ اس پر اضطراب پیدا ہوا۔ حاکم شہر کو حکم دینا پڑا کہ سید صاحب کے غازی شہر میں داخل نہ ہوں۔" [2]

چونکہ سید صاحب کو قدم قدم پر انگریزوں کی تائید و حمایت حاصل تھی اور سید صاحب کی زبان پر بھی انگریزوں کی تعریف و توصیف تھی اس لیے سید صاحب پر انگریزوں کے ایجنٹ ہونے کا شبہ بے جا نہیں تھا۔

(۳)

[1] سید احمد شہید ص ۲۹۶ [2] ایضاً ص ۳۰۶

سید صاحب اور ان کی جماعت کے خلاف سرحد کے علماء نے جو فتویٰ تیار کیا تھا جس پر بہت سے علماء کی مہریں ثبت تھیں اس کا مضمون یہ تھا کہ :۔

"سید صاحب چند عالموں کو اپنے ساتھ ملا کر تھوڑی سی جمیعت کے ہمراہ افغانستان گئے ہیں۔ وہ بظاہر جہاد فی سبیل اللہ کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن یہ ان کا فریب ہے وہ ہمارے اور تمہارے مذہب کے مخالف ہیں ایک نیا دین انہوں نے نکالا ہے۔ کسی ولی یا بزرگ کو نہیں مانتے۔ سب کو بُرا کہتے ہیں۔ انگریزوں نے اُنہیں تمہارے مُلک کا حال معلوم کرنے کی غرض سے جاسوس بنا کر بھیجا ہے۔ ان کی باتوں میں نہ آنا۔ عجب نہیں تمہارا ملک چھنوا دیں۔ جس طرح ہو سکے انکو تباہ کرو۔ اگر اس باب میں غفلت یا سستی برتو گے تو پچھتاؤ گے اور ندامت کے سوا کچھ نہ پاؤ گے[1]۔"

مندرجہ بالا فتویٰ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سرحدی مسلمانوں نے سید صاحب کی انگریز دوستی کی وجہ سے ان کا ساتھ نہ دیا اور سید صاحب کی جماعت سے سرحد میں جو سیاسی اور مذہبی غلطیاں ہوئیں اُن کی تفصیل کے لیے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے چونکہ وہ ہمارے موضوع سے متعلق نہیں ہیں اس لیے ہمیں ان کے تفصیلی تذکرہ کی ضرورت نہیں ہے اور یہی غلطیاں سید صاحب کی ناکامی کا باعث

[1] سید احمد شہید صہ ۲۸۰ ۔

ہوئیں۔ یہاں ان غلطیوں کے بارے میں مولانا عبید اللہ سندھی کا یہ ارشاد نقل کر دینا کافی ہے کہ :۔

"غلطیاں اس قدر ہوئیں کہ ان کا لازمی نتیجہ شکست تھا[1]۔"

سید صاحب کی انگریز دوستی کے متعلق اپنوں کی شہادتیں

(۱)

مولوی محمد جعفر تھانیسری لکھتے ہیں کہ :۔

"اس سوانح (سوانح احمدی) اور مکتوبات مسلکہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہ تھا وہ اس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار انگریز اس وقت سید صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی۔ مگر سرکار انگریزی اس وقت دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو[2]۔"

مولوی محمد جعفر کے اس بیان کی تصدیق مشہور بنگالی مورخ میجر باسو کی حسب ذیل تحریر سے ہوتی ہے :۔

"برطانوی حکمران اس دن کا بے چینی سے انتظار کر

[1] شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک صہ ۱۶۷ [2] سوانح احمدی صہ ۱۳۹ ۔

سید صاحب اور ان کی جماعت کے خلاف سرحد کے
علماء نے جو فتویٰ تیار کیا تھا جس پر بہت سے علماء کی مہریں ثبت
تھیں اس کا مضمون یہ تھا کہ :۔

"سید صاحب چند عالموں کو اپنے ساتھ ملا کر تھوڑی
سی جمعیت کے ہمراہ افغانستان گئے ہیں۔ وہ بظاہر جہاد فی سبیل اللہ
کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن یہ ان کا فریب ہے وہ ہمارے اور
تمہارے مذہب کے مخالف ہیں ایک نیا دین انہوں نے
نکالا ہے۔ کسی ولی یا بزرگ کو نہیں مانتے۔ سب کو بُرا کہتے
ہیں۔ انگریزوں نے اُنہیں تمہارے مُلک کا حال معلوم کرنے
کی غرض سے جاسوس بنا کر بھیجا ہے۔ ان کی باتوں میں نہ آنا۔
عجب نہیں تمہارا ملک چھنوادیں۔ جس طرح ہو سکے انکو تباہ
کرو۔ اگر اس باب میں غفلت یا سُستی برتو گے تو پچھتاؤ
گے اور ندامت کے سوا کچھ نہ پاؤ گے۔[1]"

مندرجہ بالا فتویٰ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سرحدی مسلمانوں
نے سید صاحب کی انگریز دوستی کی وجہ سے ان کا ساتھ نہ دیا اور سید
صاحب کی جماعت سے سرحد میں جو سیاسی اور مذہبی غلطیاں ہوئیں
اُن کی تفصیل کے لیے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے چونکہ وہ
ہمارے موضوع سے متعلق نہیں ہیں اس لیے ہمیں ان کے تفصیلی تذکرہ کی
ضرورت نہیں ہے اور یہی غلطیاں سید صاحب کی ناکامی کا باعث

[1] سید احمد شہید صد ۲۸۰

ہوئیں۔ یہاں ان غلطیوں کے بارے میں مولانا عبیداللہ سندھی کا یہ ارشاد
نقل کر دینا کافی ہے کہ :۔

"غلطیاں اس قدر ہوئیں کہ ان کا لازمی نتیجہ شکست تھا۔[1]"

سید صاحب کی انگریز دوستی کے متعلق اپنوں کی شہادتیں

(۱)

مولوی محمد جعفر تھانیسری لکھتے ہیں کہ :۔

"اس سوانح (سوانح احمدی) اور مکتوبات منسلکہ سے
صاف معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کا سرکار انگریزی سے
جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہ تھا وہ اس آزاد عملداری کو اپنی ہی
عملداری سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار انگریز
اس وقت سید صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے
سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی۔ مگر سرکار انگریزی اس
وقت دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو۔[2]"

مولوی محمد جعفر کے اس بیان کی تصدیق مشہور بنگالی مورخ میجر
باسو کی حسب ذیل تحریر سے ہوتی ہے :۔

"برطانوی حکمران اس دن کا بے چینی سے انتظار کر

[1] شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک صد ۱۷۴ [2] سوانح احمدی صد ۱۳۹

رہے تھے کہ وہ رنجیت سنگھ کی دولت اور سلطنت پر قبضہ کر سکیں اس میں مطلق شک نہیں کہ پنجاب میں تمام فسادات، انتشار اور پراگندگی کا سبب خود انگریز تھے تاکہ اسے کمزور کر کے اپنی سلطنت سے اس کا الحاق کر لیں۔ لہ"

(۲)

"پندرہ برس کے بعد سلطنت پنجاب، متعصب اور ظالم سکھوں کے ہاتھ سے نکل کر ایک ایسی عادل اور آزاد اور لا مذہب (انگریزی) قوم کے ہاتھ آگئی کہ جس کو ہم مسلمان (مریدانِ سید صاحب) اپنے ہاتھ پر فتح ہونا تصور کرتے ہیں اور غالباً سید صاحب کے الہام کی صحیح تاویل یہی ہوگی جو ظہور میں آئی۔" ٹہ

(۳)

"آپ (سید صاحب) کے سوانح عمری اور مکاتیب میں بیس سے زیادہ ایسے مقام پائے گئے ہیں۔ جہاں کھلے کھلے اور اعلانیہ طور پر سید صاحب نے بدلائل شرعی اپنے پیرو لوگوں کو سرکار انگریزی کی مخالفت سے منع کیا ہے ..... سید صاحب کا جہاد صرف اس وقت کے ان ظالم سکھوں سے تھا جنہوں نے اس وقت پنجاب کے مسلمانوں پر قیامت برپا کر رکھی تھی نہ کہ

لہ ہندوستان میں نصرانی اقتدار کا عروج۔

ٹہ سوانح احمدی صہ ۱۳۸۔

سرکار انگریزی سے ـــ پس اس امر میں بھی ان (مریدین سید صاحب) کو سید صاحب کی پیروی کرنی ضرور و لازم ہے۔ لہ"

میرزا حیرت دہلوی کی شہادت

میرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں :-

"یہ تمام بیّن ثبوت صاف اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ جہاد صرف سکھوں سے مخصوص تھا۔ سرکار انگریزی سے مسلمانوں کو ہرگز مخاصمت نہ تھی۔" ٹہ

مولوی جعفر تھانیسری پر تحریف کا بے بنیاد الزام

مولانا غلام رسول مہر نے اپنی تصانیف میں بعض مفروضات کی بنا پر جناب سید احمد بریلوی کو انگریز کا مخالف ثابت کرنے کی انتہائی کوشش کی لیکن کوئی ٹھوس ثبوت فراہم نہیں کر سکے انہوں نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے مولوی محمد جعفر تھانیسری پر سید صاحب کے مکاتیب میں تحریف کرنے کا بے بنیاد الزام عائد کیا ہے۔ مولانا مہر نے اپنی تصنیف "سید احمد شہید" میں "سوانح احمدی" مصنفہ مولوی محمد جعفر تھانیسری سے سید صاحب کے مکاتیب کے چار اقتباس درج کئے ہیں اور انہیں غلط ٹھہرا کر ان کے مقابلے میں سید صاحب کے چار مکتوبات کے اقتباس

لہ سوانح احمدی صہ ۲۳۶ ٹہ حیات طیبہ صہ ۵۲۲۔

اس مجموعہ سے دیئے ہیں جو مولانا مہر کے پاس ہے۔ مولانا مہر نے اپنے مجموعہ مکاتیب کو صحیح قرار دیا ہے اور سوانح احمدی کے مکاتیب کو غلط قرار دیا ہے۔ مولانا مہر نے یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ اصل مکاتیب میں جہاں انگریزوں کے نام کے ساتھ مخالفت ہے وہاں مولوی محمد جعفر نے سکھوں کے نام کے ساتھ مخالفت لکھ دی۔ لیکن اس سلسلے میں پہلی قابل غور بات یہ ہے کہ مولانا مہر نے مولوی محمد جعفر صاحب جیسے مسلمہ شخصیت پر تحریف کا الزام عائد کرکے مولوی صاحب کو دوسرے لفظوں میں بددیانت ثابت کیا ہے جو سید صاحب کے مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والے اہل علم حضرات کے لیے ناقابل تسلیم ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مولوی محمد جعفر صاحب کی تصنیف سوانح احمدی کو شائع ہوئے قریباً ایک صدی ہو چکی ہے اس عرصہ میں کسی مؤرخ، محقق اور عالم نے مولوی صاحب پر تحریف کا الزام عائد نہیں کیا۔ کیا اس عرصہ میں سید صاحب کے مکاتیب تک مولانا مہر کے سوا کسی کو دسترس حاصل نہیں ہوئی۔

تیسری بات یہ ہے کہ مولانا مہر کے پاس جو ذخیرۂ مکاتیب ہے وہ اصل نہیں بلکہ نقل ہے اور نقل بھی نقل در نقل۔ خدا معلوم یہ مجموعہ کتنے واسطوں سے نقل ہوتا ہوا مولانا مہر تک پہنچا ہے۔ یہ امر بھی فیصلہ طلب ہے کہ مہر صاحب کے پاس جو ذخیرۂ مکاتیب ہے۔ اس کی حیثیت کیا ہے کہیں یہ ذخیرہ صرف مولوی محمد جعفر کو محرف ثابت کرنے کے لیے تو وجود میں نہیں لایا گیا؟

افادات سر سید احمد خان

(۱)

ذیل میں سر سید احمد خان کے اس معرکۃ الارا مقالہ سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جو اُس نے بنگال کے ایک معزز سرکاری افسر ولیم ہنٹر آئی۔ سی۔ ایس کی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" کے جواب میں سپرد قلم کیا تھا اس مقالہ میں سر سید احمد خان تحریک وہابیت کے متعلق ڈاکٹر ہنٹر کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"جو کام اُس زمانہ کے وہابی کرتے تھے ان سے گورنمنٹ انگریزی واقف تھی اور کسی طرح ان لوگوں کی طرف گورنمنٹ کی بدخواہی کا گمان نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ اس زمانہ میں علی العموم مسلمان لوگ عوام کو سکھوں پر جہاد کرنے کی ہدایت کرتے تھے تاکہ وہ اپنے ہم وطن مسلمانوں کو اس قوم کے ظلم و تعدی سے نجات دیں اُس زمانہ میں مجاہدین کے پیشوا سید احمد صاحب تھے مگر وہ واعظ نہ تھے۔ واعظ قوم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب تھے جن کی نصیحتوں سے مسلمانوں کے دلوں میں ایک ایسا ولولہ اثر خیز پیدا ہوتا تھا جیسا کہ کسی بزرگ کی کرامت کا اثر ہوتا ہے مگر اس واعظ نے اپنے زمانہ میں کبھی کوئی لفظ اپنی زبان سے ایسا نہ نکالا جس سے

ان کے ہم مشربوں کی طبیعت ذرا بھی گورنمنٹ انگریزی کی طرف سے برافروختہ ہو بلکہ ایک مرتبہ وہ کلکتہ میں سکھوں پر جہاد کرنے کا وعظ فرما رہے تھے۔ اثنائے واعظ میں کسی شخص نے ان سے دریافت کیا کہ تم انگریزوں پر جہاد کرنے کا وعظ کیوں نہیں کہتے وہ بھی تو کافر ہیں۔ اس کے جواب میں مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے فرمایا کہ انگریزوں کے عہد میں مسلمانوں کو کچھ اذیت نہیں ہوتی اور چونکہ ہم انگریزوں کی رعایا ہیں اس لیے ہم پر اپنے مذہب کی رُو سے یہ بات فرض ہے کہ انگریزوں پر جہاد کرنے میں ہم کبھی شریک نہ ہوں پس اس زمانہ میں ہزاروں مسلح مسلمان اور بے شمار سامانِ جنگ کا ذخیرہ سکھوں پر جہاد کرنے کے واسطے ہندوستان میں جمع ہوگیا۔ مگر جب صاحب کمشنر اور صاحب مجسٹریٹ کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے گورنمنٹ کو اطلاع دی۔ گورنمنٹ نے ان کو صاف لکھا کہ تم کو اس معاملہ میں ہرگز دست اندازی نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ ان کا ارادہ کچھ گورنمنٹ انگریزی کے مقاصد کے خلاف نہیں ہے غرض کہ ۱۸۲۴ء میں یہ لوگ سکھوں پر جہاد کرنے کے واسطے سرحد پر پہنچے اور اس کے بعد ہندوستان سے برابر ان کے پاس مدد پہنچتی رہی اور گورنمنٹ بھی اس امر سے بخوبی واقف تھی جس کے ثبوت میں ایک مقدمہ کی کیفیت نظیراً میں درج ذیل کرتا ہوں:۔

دہلی کے ایک ہندو مہاجن نے جس کے پاس جہادی لوگوں کی امداد کے واسطے روپیہ جمع کیا گیا تھا امداد کے روپیہ میں

کچھ تغلب کیا اور مسٹر ولیم فریزر صاحب بہادر متوفی کمشنر کے روبرو اس پر نالش ہوئی اور انجام کار مولوی محمد اسحاق صاحب مدعی کے حق میں اس دعویٰ کی ڈگری ہوئی اور جو روپیہ مدعا علیہ سے ڈگری کا وصول ہوا وہ اور ذریعے سے سرحد کو بھیجا گیا۔ بعد اس کے اس مقدمہ کی اپیل صدر کورٹ الہ آباد میں ہوئی۔ وہاں بھی عدالت ماتحت کا فیصلہ بحال رہا۔

..... ان کے ایک نہایت مشہور و معروف مولوی محبوب علی تھے (جن کا انتقال ۱۸۶۳ء میں ہوا) ..... شاید اس مضمون کے پڑھنے والے اس عجیب بات کے سُننے سے بھی خوش ہوں کہ مولوی محبوب علی صاحب وہی شخص تھے جن کو ۱۸۵۷ء میں باغیوں کے سرغنہ بخت خان نے عین ہنگامہ غدر میں طلب کیا اور ان سے یہ درخواست کی کہ آپ اس زمانہ میں انگریزوں پر جہاد کرنے کی نسبت ایک فتویٰ پر اپنے دستخط کر دیں مگر مولوی محبوب علی صاحب نے صاف انکار کیا اور بخت خان سے کہا کہ ہم مسلمان گورنمنٹ انگریزی کی رعایا ہیں۔ ہم اپنے مذہب کی رُو سے اپنے حاکموں سے مقابلہ نہیں کر سکتے اور طرہ بر ایں یہ ہوا کہ جو ایذا بخت خان اور اس کے رفیقوں نے انگریزوں کی میموں اور بچوں کو دی تھی اس کی بابت بخت خان کو سخت لعنت ملامت کی[1]۔"

(۲)

"پینتیس برس پیشتر ایک بہت بڑے مولوی محمد اسمٰعیل نے ہندوستان میں جہاد کا وعظ کیا اور سب آدمیوں کو جہاد کی

[1] مقالات سرسید حصہ نہم مرتبہ شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی صفحہ ۱۴۱-۱۴۳ شائع کردہ مجلس ترقی ادب لاہور

ترغیب دی۔ اس وقت اس نے صاف بیان کیا کہ ہندوستان کے رہنے والے جو سرکار انگریزی کے امن میں رہتے ہیں ہندوستان میں جہاد نہیں کرسکتے اس لیے ہزاروں آدمی جہادی ہر ایک ضلع ہندوستان میں جمع ہوئے اور سرکار کی عملداری میں کسی طرح کا فساد نہیں کیا۔ اور غربی سرحد پنجاب پر جاکر لڑائی کی۔[1]"

(۳)

سر سید احمد خان، دہلی کے وہابی علماء کی فتویٰ جہاد سے برأت ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"دلی میں ایک بہت بڑا گروہ مولویوں اور اُن کے تابعین کا ایسا تھا کہ وہ مذہب کی رُو سے معزول بادشاہ دلی کو بہت بُرا اور بدعتی سمجھتے تھے ان کا یہ عقیدہ تھا کہ دلی کی جن مسجدوں میں بادشاہ کا قبض و دخل اور اہتمام ہے ان مسجدوں میں نماز درست نہیں۔ چنانچہ وہ لوگ جامع مسجد میں نماز نہیں پڑھتے تھے اور غدر سے بہت قبل کے چھپے ہوئے فتوے اس معاملہ میں موجود ہیں پھر کبھی عقل قبول کرسکتی ہے کہ ان لوگوں نے جہاد کے درست ہونے میں اور بادشاہ کو سردار بنانے میں فتویٰ دیا ہو۔[2]"

---

[1] اسباب بغاوتِ ہند ۱۸۵۷ء از سر سید احمد خان ص۹۔

[2] اسباب بغاوتِ ہند ص۱۰۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں وہابیوں کی عدم شمولیت

مولانا محمد جعفر تھانیسری لکھتے ہیں کہ:۔

"حالانکہ ابتدائے عملداری سرکار سے وہابیوں سے قتل انگریز تو درکنار کبھی کوئی حرکت خلافِ تہذیب بھی سرزد نہیں ہوئی۔ عین بغاوت ۱۸۵۷ء کے عام فتنہ کے وقت بجائے بغاوت اور فساد کے وہابیوں نے انگریزوں کی میم اور بچوں کو باغیوں کے ہاتھ سے بچا کر اپنے گھروں میں چھپا رکھا۔[1]"

مقالاتِ سر سید کے مُرتّب کا تبصرہ

(۱)

"مقالاتِ سر سید" کے مرتب جناب محمد اسمٰعیل پانی پتی نے "مقالاتِ سر سید" حصہ شانزدہم میں سر سید کے مقالہ بعنوان "حضرت سید احمد صاحب قدس سرہٗ" کے فٹ نوٹ میں جناب سید احمد صاحب بریلوی کی انگریز دوستی کے موضوع پر پُراز حقائق و معارف تبصرہ کیا ہے چونکہ یہ تبصرہ ہمارے موضوع زیر بحث سے خاص تعلق رکھتا ہے لہذا اسے بتمام وکمال ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

"اس زمانہ میں بعض حضرات یہ کہنے لگے ہیں کہ "دراصل حضرت

---

[1] کالا پانی از مولوی محمد جعفر تھانیسری شائع کردہ مشعل ادب لاہور ص۲۶۔

سیّد احمد شہید کا مقصد انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا تھا۔ سکھ تو ویسے ہی درمیان میں آگئے" یا "اگر سکھ آزادیٔ وطن کے جہاد میں حضرت سیّد احمد کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوتے تو خود ان سے رزم و پیکار کی کوئی وجہ نہ ہوتی۔" یا "سکھوں سے فارغ ہونے کے بعد حضرت شہید کا پختہ ارادہ انگریزوں سے جہاد کا تھا"۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ ان تینوں بیانات کا کوئی حقیقی ثبوت موجود نہیں اور صاف اور سچی بات یہی ہے کہ ہرگز ہرگز حضرت کا ارادہ انگریزوں سے جہاد کا نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو سر سیّد (جو حضرت شہید کے سب سے قریب العہد مورخ ہیں) ضرور اس کا ذکر کرتے۔ سر سیّد کا یہ بیان اس لحاظ سے بھی نہایت معتبر و مستند اور محکم و مضبوط ہے کہ حضرت شہید، سر سیّد کے زمانہ میں تھے اور ان کی شہادت کے صرف چودہ پندرہ برس بعد ہی سر سیّد نے ان کا یہ تذکرہ لکھا۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس سے پہلے کا کوئی بیان حضرت شہید کے ضمن میں موجود نہیں۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ حضرت شہید کے متعلق اس اوّلین بیان کو جو ان کے ایک ہم عصر نے دیا ہے ہم معتبر اور مستند نہ سمجھیں۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب کے جواب میں جو مضمون سر سیّد نے ۱۸۷۱ء میں لکھ کر انگریزی میں اخبار پانیئر (PIONEER) الٰہ آباد میں اور اُردو میں علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں شائع کرایا تھا۔ اُس سے بھی نہایت واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شہید کے جہاد کا رُخ صرف اور صرف سکھوں کے خلاف تھا[۱]

[۱] ملاحظہ فرمائیں مقالات سر سیّد حصہ شانزدہم صہ ۱۴۱ تا ۱۴۳

دوسرا اہم عصر مؤرخ فرانس کا مشہور مستشرق گارسن دتاسی ہے۔ جس کی "تاریخ ادب اُردو" کی تلخیص اُردو میں "طبقات الشعرائے ہند" کے نام سے مولوی کریم الدین پانی پتی اور ایک انگریز الیف۔ فیلن نے ۱۸۴۸ء میں شائع کی جس میں گارسن دتاسی سیّد احمد کے متعلق صاف طور پر لکھتا ہے کہ

"وہ بیس برس کا عرصہ ہوا کہ سکھوں کے خلاف جہاد کرتا ہوا مارا گیا[۱]"۔

اور اس بات کا "اشارۃً" بھی کوئی ذکر نہیں کرتا کہ وہ (یعنی سیّد احمد) انگریزوں کا بھی دشمن تھا اور ان کے خلاف جہاد کرتا یا جہاد کا ارادہ رکھتا تھا۔ نیز نواب صدیق حسن خان نے بھی "ترجمان وہابیہ" کے صفحہ ۲۱، ۸۸ پر یہی بات لکھی ہے کہ :-

"حضرت شہید کا جہاد انگریزوں کے خلاف نہ تھا"۔

ان ہم عصر مؤرخوں کے واضح بیانات کی موجودگی میں اب ۱۱۷ برس کے بعد یہ کہنا کہ

"نہیں حضرت شہید انگریزوں کے خلاف جہاد کا عزم بالجزم رکھتے تھے"۔

ایک ایسا دعویٰ ہے جو اپنے ساتھ کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں رکھتا۔ علاوہ ازیں ایک معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر سیّد احمد انگریزوں کے دشمن ہوتے اور ان کے خلاف جہاد کا ارادہ رکھتے۔ یا اس سلسلہ میں کوئی جدوجہد کرتے یا لوگوں کو انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے کے لیے

[۱] طبقات الشعرائے ہند صفحہ ۲۹۵ مطبوعہ ۱۸۴۸ء

آمادہ عمل کرتے یا عوام و خواص میں اس ارادہ کا اظہار کرتے تو انگریز ہرگز ایسے بے وقوف اور ناواقف نہیں تھے کہ اپنے دشمن کو کھلی چھٹی دے دیتے کہ ہمارے ملک میں بیٹھ کر ہمارے خلاف بے فکری سے جہاد کی تیاری کرو۔ وہ تو فوراً ان کا قلع قمع کر کے رکھ دیتے۔ جیسا انہوں نے اُن سب لوگوں کا کر دیا جن کو انہوں نے اپنا مد مقابل اور دشمن سمجھا برخلاف اس کے سید احمد سے انگریز شروع سے آخیر تک نہایت نرمی و ملائمت نہایت ہمدردی و اعانت، انتہائی شفقت و مروت اور بے حد تعظیم و تکریم سے پیش آتے رہے۔ چنانچہ انگریزوں نے ان کی دعوتیں کیں۔ سکھوں کے خلاف ان کے جہاد کو نہایت پسند کیا اور اس پر خوشی کا اظہار کیا۔ ان کی جہادی سرگرمیوں پر اپنے علاقہ میں ہرگز کوئی پابندی عائد نہیں کی۔۔۔ بلکہ جب ایک انگریز مجسٹریٹ نے ایسا اقدام کرنا چاہا تو انگریزی حکومت نے سختی سے اُسے روک دیا اور مجسٹریٹ کو حکم دیا کہ حضرت سید احمد اور ان کے لشکر سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ اور ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی جائے پھر جب تک مجاہدین سرحد پر سکھوں سے برسرپیکار رہے پٹنہ۔ بنگال اور دوسرے انگریزی علاقوں سے برابر اُن کے پاس روپیہ اور سامان بلا روک ٹوک پہنچتا رہا۔ جب جمع شدہ چندہ میں ایک ہندو مہاجن نے تغلب اور بددیانتی کی تو اس کا دعویٰ بھی مہاجن پر شاہ محمد اسحاق نے انگریزی عدالت میں کیا۔ انگریزی عدالت نے مجاہدین کے حق میں فیصلہ دیا اور روپیہ مجاہدین کو دلوایا جو فوراً سرحد پر بھیج دیا گیا۔

ان متذکرہ بالا ساری باتوں کے ثبوت مستند تاریخوں اور معتبر بیانوں میں موجود ہیں۔ جن سے انکار کی جرأت کوئی شخص نہیں کر سکتا۔ اگر ذرا سا بھی

شبہ انگریزوں کو ہوتا کہ حضرت سید احمد ہم پر جہاد کا مقصد رکھتے ہیں اور اس غرض کے لیے فوج، سامان اور روپیہ جمع کر رہے ہیں تو وہ آپ کو فوراً ہی گرفتار کر کے پھانسی پر لٹکا دیتے۔

اس سلسلہ میں یہ امر بھی خاص طور سے غور طلب ہے کہ جب حضرت شہید بعزم جہاد صوبہ سندھ اور سرحد کے علاقہ میں داخل ہوئے (جو اس وقت انگریزی عملداری میں نہ تھے) تو ان کے متعلق عام طور سے یہ شبہ کیا گیا کہ یہ انگریزوں کے جاسوس ہیں اور یہ شبہ محض اس بناء پر کیا گیا کہ حضرت شہید کے تعلقات انگریزوں سے نہایت درجہ خوشگوار تھے۔ اگر حضرت شہید انگریزوں کے دشمن ہوتے اور علی الاعلان اس کا اظہار کرتے اور اُن کے خلاف جہاد کی تیاری کرتے تو اُن پر انگریزوں کے جاسوس ہونے کا شبہ کبھی نہ کیا جاتا۔ اس بات کو مثالاً یوں سمجھئے کہ اگر رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر مرحوم روس جاتے تو کیا روسی یہ شبہ کرتے کہ ہندوستان سے انگریزوں کا یہ جاسوس یہاں آیا ہے۔

ایک بڑا پختہ ثبوت اس بات کا کہ حضرت سید احمد اور آپ کے مجاہدین کی نیت یا ارادہ یا خیال ہرگز نہ تھا کہ انگریزوں سے جہاد کیا جائے یہ ہے کہ حضرت سید احمد کے شہید ہونے کے صرف ۲۶ برس بعد جب ۱۸۵۷ء میں ہر طرف انگریزوں کے خلاف بغاوت کے شعلے زور شور سے بھڑکے ہندوستان کی سرزمین انگریزوں پر تنگ ہو گئی۔ اُن کو اپنی تباہی اور ہلاکت سامنے نظر آنے لگی اور ہر جگہ وہ بے دردی سے قتل کئے جانے لگے تو اس قیامت خیز ہنگامہ میں "حضرت سید احمد شہید کے گروہ کا ایک شخص بھی شریک نہ ہوا۔"[1]

(حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

علاوہ ازیں مولوی عبدالرحیم صادق پوری جو اُس زمانہ کے مصنف تھے اپنی کتاب میں لکھتے ہیں :-

"اتباع سید احمد صاحب کی یہ روش رہی کہ وہ ایک طرف لوگوں کو سکھوں کے خلاف آمادۂ جہاد کرتے اور دوسری طرف صرف حکومت برطانیہ کی امن پسندی جتا کر لوگوں کو انگریزوں کے مقابلہ سے روکتے تھے۔"[1]

اگر حضرت سید احمد شہید کی جماعت انگریزوں کی دشمن ہوتی تو یہ موقع اس جماعت کے لیے انگریزوں کے خلاف کھڑے ہونے کا بہترین تھا کیونکہ اُس وقت بظاہر یہی نظر آرہا تھا کہ انگریزوں کی حکومت اب گئی اور اب گئی ——— ایسی حالت میں مجاہدین سید احمد بڑی خوشی اور بڑی آسانی سے انگریزوں کے خلاف جنگ میں شریک ہو جاتے پس معلوم ہوا کہ نہ حضرت سید احمد کا یہ منشاء تھا نہ انہوں نے اپنی جماعت کو اس کی تلقین کی نہ ان کی جماعت نے انگریزوں نے خلاف کبھی کسی ہنگامہ میں کسی قسم کی مدد دی۔ اس موقعہ پر بڑے تماشے کی بات یہ ہے کہ ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں پورے جوش کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے والے وہ سب کے سب علمائے کرام شامل تھے جو عقیدۃً حضرت سید احمد اور حضرت شاہ اسمٰعیل کے شدید ترین دشمن تھے اور جنہوں نے ——— حضرت

(حاشیہ صفحہ سابقہ) [1] مقالات سرسید حصہ شانزدہم صفحہ ۱۲۳۔

(حاشیہ صفحہ موجودہ) [1] الدر المنثور صـ ۱۳۵۔

شاہ اسمٰعیل کے رد میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور اپنے شاگردوں کو لکھنے کی وصیت کی۔ اگر انہیں ذرا سا بھی شبہ ہو جاتا کہ سید احمد اور شاہ اسمٰعیل انگریزوں کے مخالف تھے اور اُن سے جنگ کرنا چاہتے تھے تو باہم دشمنی اتنی شدید تھی کہ وہ فوراً سب علماء و فضلاء سید احمد کی دشمنی میں انگریزوں سے صلح کر لیتے اور ہرگز اُن کے خلاف کھڑے نہ ہوتے۔"[1]

(۲)

مقالات سرسید حصہ شانزدہم میں سرسید احمد خان کے مضمون بعنوان "محی السنۃ قاطع البدعۃ مولانا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ" کے فٹ نوٹ میں مقالات سرسید کے مرتب جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی رقمطراز ہیں :-

"جناب خلیق احمد نظامی نے "۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ" کے دیباچہ میں صفحہ ۱۵ پر ...... ہنٹر کے بے بنیاد الزامات کو پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی سعی فرمائی ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف پیدا ہونے والی تحریکوں کے بانی

[1] یہ تو سرسید احمد خان کی سوچ ہے کہ علمائے حق بھی سید احمد کی مخالفت کی وجہ سے انگریزوں کے ساتھ صلح کر لیتے مگر حقیقت میں ایسا کبھی نہیں ہوا علمائے حق نے احقاق حق کو کسی مصلحت کا شکار نہیں ہونے دیا بلکہ سب بے دینوں سے جو ملکی لڑائی لڑتے رہے سرسید چونکہ خود مصلحت پسند سیاسی ذہن کا بندہ تھا اس لیے دوسروں کو بھی اپنے پر قیاس کرتا رہا۔ (ادارہ)

[2] مقالات سرسید حصہ شانزدہم صـ ۲۴۸ تا ۲۵۲۔

دراصل سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہید ہی تھے اور ۱۸۵۷ء میں جو کچھ ہوا وہ ان دونوں حضرات کی تبلیغ ہی کا نتیجہ تھا۔ مگر اس بیان کو حقیقت سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ حضرت سید احمد بریلوی اور حضرت شاہ صاحب کی عملی زندگی سب پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ چنانچہ ان حضرات کے انگریزوں سے جیسے اچھے تعلقات تھے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں اور سرسید کی اس عبارت کا سیاق وسباق بھی بتاتا ہے کہ یہ لوگ صرف اسی خیال سے سرحد جاتے تھے کہ سکھوں کے خلاف جس تحریک کو ہمارے پیرومرشد نے شروع کیا تھا اُسے جاری رکھا جائے۔ چنانچہ ۱۸۴۵ء میں مولوی ولایت علی صادق پوری جہاد کی غرض سے بالاکوٹ گئے اور اس وقت مجاہدین کشمیر کے راجہ گلاب سنگھ سے مصروفِ پیکار تھے۔ اگر یہ لوگ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے کے لیے جاتے تھے تو انگریزوں نے روکا کیوں نہیں؟ اور پھر سرسید نے ان انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے والوں کو کیوں سراہا؟ جبکہ وہ اس وقت انگریز کے ملازم بھی تھے۔ نیز اس وقت تک پنجاب انگریزوں کے قبضے میں بھی نہیں آیا تھا۔

یہ بات دوسری ہے کہ ۱۸۵۷ء کے چند سال بعد سید صاحب کے متبعین نے سرحد پر لڑائیاں شروع کر دیں۔ مگر اس کا ذمہ دار سید احمد اور شاہ صاحب کو قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ دیکھا گیا ہے کہ تحریکوں کے بانیوں کے مرجانے کے

بعد پس ماندگان اپنی اپنی راہیں خود متعین کر لیا کرتے ہیں اسی طرح اگر بعد والوں نے انگریزوں کے خلاف کچھ کیا تو یہ اُن کا اپنا معاملہ ہے سید صاحب اور شاہ صاحب نے جو کام نہیں کیا اور جس کے کرنے کا نہ کبھی اظہار کیا اس کو خواہ مخواہ اُن کے ذمے لگانا تاریخ کے ساتھ ظلم کرنا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ ملک کے آزاد ہو جانے کے بعد ہر مذہبی جماعت اپنے اپنے اکابر کو انگریز دشمن ثابت کرنے میں مصروف ہے اور یہی جذبہ شاہ صاحب اور سید صاحب کو انگریز دشمن ثابت کرنے کے لیے مجبور کر رہا ہے اور یہ جذبہ پیدا بھی ایسے مصنفوں میں ہوا ہے جن کے قلم کے حسن کی کرشمہ سازیاں خاص شہرت رکھتی ہیں۔“[1]

---

[1] مقالات سرسید حصہ شانزدہم ص ۳۱۸ تا ۳۱۹

وہابی علماء اور انگریز کی مدح وثناء

گذشتہ اوراق میں جناب سید احمد بریلوی کی انگریز دوستی کا ثبوت ناقابل تردید اسناد و شواہد کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے اب ذیل میں سید صاحب کے بعد کے چند مشہور وہابی علماء کے انگریز دوستی سے متعلق احوال و اقوال پیش کیے جاتے ہیں۔

① مولوی نذیر حسین دہلوی

مقالات سرسید حصہ شانزدہم میں سرسید احمد خان کے مضمون بعنوان "جناب مولوی نذیر حسین سلمہ اللہ تعالیٰ" کے فٹ نوٹ میں مقالات سرسید کے مرتب جناب شیخ محمد اسماعیل پانی پتی لکھتے ہیں:

"مولوی نذیر حسین سورج گڑھ ضلع مونگیر کے رہنے والے تھے۔ جہاں ۱۸۰۵ء میں پیدا ہوئے ۱۸۲۸ء میں دہلی آگئے اور یہیں ۱۹۰۲ء میں انتقال کیا۔ جماعت اہل حدیث کے امام اور شیخ الکل کے لقب سے مشہور تھے گورنمنٹ برطانیہ کی خیر خواہی کے صلہ میں شمس العلماء کا خطاب بھی ملا۔۔۔۔ پنجاب میں مولوی محمد حسین بٹالوی ایڈیٹر اشاعت السنہ ان کے خاص شاگردوں میں سے ہوئے ہیں۔۔۔۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں سرکار انگریزی کی خدمات بڑے خلوص قلب سے انجام دیں جن کے صلہ میں تیرہ سو روپے نقد انعام میں پائے اور خوشنودی سرکار کا ایک پروانہ بھی کمشنر دہلی نے عطا فرمایا۔" [1]

② مولوی محمد جعفر تھانیسری لکھتے ہیں:

"مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی جو ایک نامی خیر خواہ دولت انگلشیہ کے ہیں۔" [2]

شمس العلماء مولوی نذیر احمد دہلوی

آغا شورش کاشمیری لکھتے ہیں:

"جن لوگوں نے حوادث کے اس زمانہ میں فسخ جہاد کی تاویلوں کے علاوہ "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" میں اُولِی الْاَمْر کا مصداق انگریزوں کو ٹھہرایا اُن میں مشہور انشاپرداز ڈپٹی نذیر احمد کا نام بھی ہے جو ایک شعلہ بیان مقرر ہونے کے علاوہ مایۂ ناز اور بلند پایہ مصنف بھی تھے انہوں نے قرآن مجید کے ترجمے میں انگریزوں کو پہلی دفعہ اولی الامر قرار دیا اور اُن کی اطاعت کو اللہ اور رسول کی اطاعت سے مستلزم ۔۔۔۔۔ اس ترجمہ کی کاپی آپ نے سر ولیم میور کو انگلستان بھجوائی جس کی سفارش سے آپ کو شمس العلماء کا خطاب ملا۔ اسی ترجمہ پر آپ کو ایڈنبرا یونیورسٹی

[1] مقالات سرسید حصہ شانزدہم ص ۲۳۴ ؛ [2] کالا پانی ص ۲۴ ؛

نے ایل ایل ڈی کی ڈگری عطا کی تھی۔ دیکھو داستان تاریخ اردو مصنفہ حامد حسن قادری صہ ۴۹۸"۔ ؎۱

مولوی نذیر احمد دہلوی کے ارشادات

(۱)

شمس العلماء مولوی نذیر احمد نے اپنے لیکچر میں جو ۵ اکتوبر ۱۸۸۸ء کو ٹاؤن ہال دہلی میں دیا، فرمایا:-

"ہندوؤں کی عملداری میں مسلمانوں پر طرح طرح کی سختیاں رہیں اور مسلمانوں کی حکومت میں بعض ظالم بادشاہوں نے ہندوؤں کو ستایا۔ الغرض یہ بات خدا کی طرف سے فیصل شدہ ہے کہ سارے ہندوستان کی عافیت اس میں ہے کہ کوئی اجنبی حاکم اس پر مسلط رہے جو نہ ہندو ہو نہ مسلمان ہی ہو کوئی سلاطین یورپ میں سے ہو مگر خدا کی بے انتہا مہربانی اس کی مقتضی ہوئی کہ انگریز بادشاہ ہوئے (چیرز) انہوں نے سوا سو برس حکومت کر کے اپنی قومی بیدار مغزی، جفاکشی، لیاقت، انصاف، رعایا پروری اور بہادری کو آشکار طور پر ثابت کر دیا جیسے روز روشن میں آفتاب۔ تو کیا اب بھی کسی منصف مزاج دانشمند، ملکی خیر خواہ کے دل میں یہ ولولہ گذر سکتا ہے کہ

؎۱ عطاء اللہ شاہ بخاری از آغا شورش کاشمیری صہ ۱۳۵۔

خدانخواستہ سلطنت بدل جائے۔ سب بولو! نہیں نہیں (چیرز) لیکن منہ سے کہنا کافی نہیں۔ کردار سے، گفتار سے ثابت کر دو کہ تم تبدل سلطنت نہیں چاہتے۔" ؎۱

(۲)

اور فرماتے ہیں:-

"کیا گورنمنٹ جابر اور سخت گیر ہے توبہ توبہ ماں باپ سے بڑھ کر شفیق۔" ؎۲

(۳)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"جو آسائش ہم کو انگریزی عملداری میں میسر ہے کسی دوسری قوم میں اس کے مہیا کرنے کی صلاحیت نہیں بس یہی باغیان نا عاقبت اندیش بر خود غلط جو عملداری کے تزلزل سے خوش ہیں چند روز میں عاجز آ کر بمنت انگریزوں کو منا کر لائیں تو سہی میں اپنی معلومات کے مطابق اس وقت کے ہندوستانی والیان ملک پر نظر ڈالتا تھا اور برما اور نیپال اور افغانستان بلکہ فارس اور مصر اور عرب تک خیال دوڑاتا تھا۔ اس سرے سے اُس سرے تک ایک متنفس سمجھ میں نہیں آتا تھا جس کو میں ہندوستان کا بادشاہ بناؤں۔ امیدواران سلطنت میں سے اور کوئی گروہ

؎۱ مولوی نذیر احمد کے لیکچروں کا مجموعہ بار اول ۱۸۹۰ء صہ ۵۰۔

؎۲ مولوی نذیر احمد کے لیکچروں کا مجموعہ صہ ۱۰۔

اس وقت موجود رہتا کہ میں اس کے استحقاق پر نظر کرتا۔ پس میرا اس وقت کا فیصلہ یہ تھا کہ انگریز ہی سلطنت ہندوستان کے اہل ہیں سلطنت انہی کا حق ہے انہی پر بحال رہنی چاہیے
دعوئ مدعیان معہ خرچہ ڈسمس ہے۔"[1]

مولوی محمد حسین بٹالوی کے ارشادات

(۱)

مولوی محمد حسین بٹالوی جو سردار اہلحدیث کہلاتے تھے اپنے رسالہ "اشاعت السنہ" میں لکھتے ہیں :-

"سلطان روم ایک اسلامی بادشاہ ہے لیکن امن عام اور حسن انتظام کے لحاظ سے (مذہب سے قطع نظر) برٹش گورنمنٹ بھی ہم مسلمانوں کے لیے کچھ کم فخر کا موجب نہیں ہے اور خاص کر گروہ اہلحدیث کے لیے تو یہ سلطنت بلحاظ امن آزادی اس وقت کی تمام اسلامی سلطنتوں (روم۔ ایران خراسان) سے بڑھ کر فخر کا محل ہے۔"[2]

(۲)

[1] مولوی نذیر احمد کے لیکچروں کا مجموعہ صہ ۲۶ - ۲۷۔

[2] رسالہ اشاعت السنہ نمبر ۱۰ جلد ۶ صہ ۲۹۲

"اس امن و آزادئ عام و حسن انتظام برٹش گورنمنٹ کی نظر سے اہلحدیث ہند اس سلطنت کو از بس غنیمت سمجھتے ہیں اور اس سلطنت کی رعایا ہونے کو اسلامی سلطنتوں کی رعایا ہونے سے بہتر جانتے ہیں اور جہاں کہیں وہ رہیں اور جائیں (عرب میں خواہ روم میں خواہ اور کہیں) کسی اور ریاست کا محکوم رعایا ہونا نہیں چاہتے۔"[1]

حرفِ آخر

ہم اپنے اس مقالہ میں جناب سید احمد بریلوی اور ان کے متبعین کے سیاسی اعمال و نظریات اجمالاً خود انہی بزرگوں کے اپنے الفاظ میں پیش کر چکے ہیں ہر جگہ حوالہ جات ساتھ شامل ہیں تاکہ جن اصحاب کو مزید تحقیق یا تنقید و تصدیق کا اشتیاق ہو انہیں سہولت رہے اگر ہم نے اخذ مطالب میں کہیں نادانستہ ٹھوکر کھائی ہے یا کہیں کوئی مغالطہ رہ گیا ہے تو ہمیں توقع ہے کہ جو علماء و فضلاء اپنی اہلیت کے اعتبار سے اس موضوع پر قلم اٹھانے کے زیادہ اہل ہیں ہماری غلطیوں کی تصحیح و رہنمائی سے دریغ نہ فرمائیں گے لیکن انہیں اس امر کو ملحوظ رکھنا ہوگا کہ انہیں سید صاحب کی انگریز دشمنی سے متعلق سید صاحب کے اپنے بیانات شائع شدہ مستند کتابوں سے پیش کرنے ہوں گے۔ غیر مطبوعہ، غیر مستند اور خانہ ساز حوالوں کا سہارا نہیں لینا ہوگا۔ اگر انہوں نے ہماری اس درخواست کو درخورِ اعتناء نہ سمجھا اور حسبِ معمول سابق خانہ ساز قلمی حوالہ جات اور دور از کار قیاسات کا سہارا لینے کی سعی کی تو ان کی یہ سعی تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ ناپائیدار ثابت ہوگی۔

[1] رسالہ اشاعت السنہ نمبر ۱۰ جلد ۶ صہ ۲۹۳